© rasailojaraid.com

پروفیسر چودھری نذیر احمد

اقبال کی اسلامی اور عربی تشبیہات

اقبال ایک شاعر کی حیثیت سے دوسرے شاعروں سے مختلف مسلک رکھتے ہیں ۔ وہ قدما کے بے شمار عشقیہ اور مدحیہ مضامین اور استعارات و تشبیہات کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ ع آنچہ در گفتار فخرِ تست آں ننگِ من است ۔ ان کے کلام میں کئی واضح اشارے موجود ہیں ۔ جو اُن کے مسلکِ شاعری کی نشان دہی کرتے ہیں :۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے　　　عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ　　　کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست　　　سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

نہ زباں کوئی غزل کی نہ زباں سے آشنا میں　　　کوئی دلکشا صدا ہو عجمی ہو یا کہ تازی

وہ بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ہیں کہ :

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے ، پھر ذوقِ تقاضا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ سمجھتے ہیں کہ :

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اقبال کی شاعری کا تار و پود اسلام ہے۔ اقبال کی شاعری کا محور اسلام ہے ان کی شاعری کا مقصد اور شاعرانہ مساعیٔ جمیلہ کی منزل اسلام ہے اور اُن کی پرواز تخیل معراجِ اسلام ہے اس لیے ان کے استعارات و تشبیہات بھی اسی رنگ سے رنگین ہیں۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ط (یہ اللہ کا دیا ہوا رنگ ہے اور کون ہے اللہ سے بہتر رنگ میں)

ہم اقبال کی عربی اور اسلامی تشبیہات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت پیش کرتے ہیں :

ا۔ قرآن۔ سیپارہ، سورتیں، قرآنی آیات وغیرہ کی تشبیہات۔

ب۔ نماز، اذان، مؤذّن، وضو، کلمہ، قیام، رکوع، سجود، زکوٰۃ وغیرہ کی تشبیہات۔

ج۔ انبیاء، ائمہ دین، اور بزرگانِ دین کی تشبیہات۔

د۔ اسلامی دیار اور امصار کی تشبیہات۔

س۔ اسلام کے مخصوص عقاید و شعائر مثلاً فرشتے، حور و جنت وغیرہ اور مساجد، کھجور، ہلال وغیرہ کی تشبیہات۔

ا۔ قرآن، پارہ، سورت، آیات وغیرہ

اقبال مردِ مومن کو قرآن سے تشبیہ دیتے ہیں اور قدما نے محبوب کے چہرے کو قرآن سے تشبیہ دی ہے۔ یہ قدیم شاعری کا رنگ تھا جسے اقبال نے یکسر بدل دیا اور مردِ مومن کو قرآن سے تشبیہ دے کر قدما کی تشبیہات کا نقش باطل کر دیا۔ یہ تشبیہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ہ

قرآن

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن (ضربِ کلیم)

قرآن پاک کی سورتوں میں سے سورۂ رحمٰن، سورۂ نور، آیۃ الکرسی، سورۂ والشمس اور سورہ اخلاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تشبیہاً ذکر کیا ہے ۔

سورۂ رحمٰن

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن (ضربِ کلیم)

سورۂ نور

اے نشانِ رکوعِ سورۂ نور قائلِ ذٰلک الکتٰب ہے تو (یتیم کا خطاب)

طلسمِ ظلمتِ شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اڑا یا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا (پیامِ صبح)

الٓمٓ

موجِ غم پر رقص کرتا ہے حبابِ زندگی ہے الم کا سورہ بھی جزوِ کتابِ زندگی (فلسفۂ غم)

ہمارا خیال ہے کہ اس تشبیہ میں علامہ صاحب ایک بات بھول گئے ہیں۔ "الم" سورۃ کا نام نہیں ۔ بلکہ ایک پارے کا نام ہے ۔ اگر اقبال اس شعر میں "سورہ" کی بجائے "پارہ" کا لفظ لاتے تو شعر بھی موزوں رہتا اور تشبیہ بھی درست ہوتی ۔ راقم الحروف نے بانگِ درا کے کئی ایڈیشن دیکھے ہیں ۔ پہلا اور دوسرا ایڈیشن دستیاب نہیں ہو سکا ۔ باقی سب جلدوں میں الم کے ساتھ سورہ کا لفظ لکھا ہے ۔ شاید اقبال نے "پارہ" ہی لکھا ہو ۔ اور سہو کاتب ہو گیا ہو ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

سورۂ والشمس

گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں
(انسان اور بزمِ قدرت)

سورۂ اخلاص

میں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے قُل ھُوَ اللّٰہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام (ضربِ کلیم)

شعرائے قدیم نے بھی اپنی غزلیات ، قطعات یا قصائد میں موقع اور محل کے مناسب قرآنی آیات بلکہ بعض الفاظ و مرکبات سے تلمیحات ، تشبیہات اور استعارات پیدا کیے ہیں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذوقؔ
ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الفِ الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا (تشبیہ قلم کی الفِ الحمد سے)

ولیؔ
رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب
زیورِ لب ذکرِ سبحان الذی اسریٰ کروں (استعارہ)

دردؔ
رکھ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کو یاد
جب تلک اے دردؔ دم میں دم رہے (تلمیح)

شوقؔ
صبح کو طائرانِ خوش الحان
پڑھتے ہیں کلّ من عَلَیْھَا فَانٍ (استعارہ)

سوداؔ
اَلَمْ نَشْرَحْ ہوا عالم میں تیرا عشق اے سودا
نہ پنہاں ہو سکے دریا سے دل میں ماہ کی صورت (تلمیح اور دوسرا مصرع تشبیہ)

اقبالؔ بھی قرآنی آیات، الفاظ و مرکبات کی تضمین کر کے تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کی تخلیق کرتے ہیں۔ ہم صرف تشبیہات و استعارات پر مشتمل اشعار کی مثالیں دیں گے:

کلمۂ توحید

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے معانی و مطالب کی تشریح و توضیح سے اقبال کا کلام اس طرح مزین ہے جس طرح آسمان چاند اور ستاروں سے۔ اس کلمۂ توحید کو اتنے مختلف پیرایوں میں اور اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ اس کی تکرار محسوس ہی نہیں ہوتی۔ کبھی خودی کے ذکر میں اور کبھی بیخودی کے بیان میں۔ کبھی مُلّا اور خطیب کو طنزاً لا الٰہ کا وارث کہا گیا ہے اور کبھی انھیں لغت ہائے حجازی کا "قارون" کہہ کر اپنے تئیں انکسار سے کہا ہے کہ بجز دو حرف لا الٰہ اس قلندر کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کبھی صوفی کو اس کے معانی سمجھاتے ہیں اور کبھی مفتی و مُلّا کو۔ کبھی نفی اور اثبات کے اجتماعِ ضدّین کے عنوان سے بحث کی ہے۔ لیکن کبھی سیاستِ مدن کے مسائل سمجھاتے ہوئے اور پیچیدہ معاملات کو سلجھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ لا اگر اِلّا سے بیگانہ ہو تو [illegible] ہے۔ کبھی علم معانی کی رو سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تشریح کی ہے اور کبھی علمِ بیان کی رُو سے مندرجہ ذیل تشبیہات و استعارات دیکھیے :

خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ اِلا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ اِلا اللہ (ضربِ کلیم)

اگر خودی کو تیغ خیال کریں - تو یہ تیغ لا الٰہ اِلا اللہ کی سان پر ہی تیز کی جا سکتی ہے :

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا اِلّا
پیامِ موت ہے جب لا ہوا اِلّا سے بیگانہ (ضربِ کلیم)

مسلمان بالعموم لا اور اِلا کی حقیقت سے بے خبر ہیں - لبوں پر کلمۂ توحید جاری ہوتا ہے مگر دل اس کے معانی سے لذت آشنا نہیں - اور اسی وجہ سے اعمال و افعال میں بے شمار لغزشیں سرزد ہوتی رہتی ہیں - مغربی تعلیم اور تہذیب دورِ حاضر ہیں لا کا سبق، (یعنی کوئی معبود نہیں ہے) تو سکھا رہی ہے - لیکن اِلّا (یعنی سوائے اللہ کے) کا درس فراموش ہوتا جا رہا ہے :

لبالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے مئے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلّا (بالِ جبریل)

تہذیبِ حاضر ایک ایسی صراحی یا مینا سے مشابہ ہے جس میں لا کی شراب لبالب بھری ہوئی ہے مگر ساقی (رہنمایانِ مذہب و دین) کے ہاتھوں میں اِلا کا پیمانہ نہیں :

نہ تخمِ لا اِلٰہ تیری زمینِ شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی (بانگِ درا)

لا الٰہ کو ایک بیج سے اور قلبِ مسلم کو زمینِ شور سے تشبیہ دی گئی ہے - زمینِ شور میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا - وہاں لا اِلٰہ کا تخم اکارت جا رہا ہے :

نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلا اللہ کا (سوامی رام تیرتھ)

لا اور اِلّا کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ لا معبود اِلّا اللہ - مگر صوفی کا دلِ آگاہ ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے - اور کہتا ہے لا موجود اِلّا اللہ یعنی اس عالمِ شہود کی کثرت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف ایک وحدت ہے اور وہی واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ باقی سب اُسی کے عوارض یا مظاہر ہیں۔ صوفی نفیِ ہستی کا قائل ہے۔ وہ لَا کے دریا میں اِلَّا اللہ کے موتی کو نہاں ہونے کے باوجود دیکھتا ہے۔ اور نفیِ ہستی کو کوئی چیز نہیں سمجھتا:

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تُو
پلا کے مجھ کو مئے لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو (بالِ جبریل)

لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی حقیقت سے آگاہی ہو جائے تو انسان پر ایک خود فراموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے جیسے وہ شراب کے نشہ میں مخمور ہو۔ اس شراب کی یہ تاثیر ہے کہ اس کی نگاہ "مایۂ آشوبِ امتیاز" نہیں رہتی۔ یہاں بھی کلمۂ توحید کو شراب سے تشبیہ دی ہے۔ کلمہ توحید من و تو کا امتیاز مٹا دیتا ہے:

قلندر جُز دو حرفِ لَا اِلٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا (بالِ جبریل)

ہمارے علمائے عصرِ حاضر کو بالعموم یہ زعم ہے کہ عربی زبان پر جس قدر انھیں عبور ہے مسلمانوں کے کسی طبقہ میں نہیں۔ اور انگریزی پڑھے ہوئے لوگوں کو تو بالخصوص عربی سے بے بہرہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل باطل ہے، کوئی بھی علم ہو، کسی خاص طبقے کے لیے مخصوص نہیں۔ ہر شخص عربی و فارسی یا مغربی علوم میں یکتائے روزگار ہو سکتا ہے بشرطیکہ محنت سے کام لے۔ اقبال کے کلام کی ہمہ گیری دیکھ کر مُلا قسم کے لوگ ان کے حاسد ہو گئے اور پروپیگنڈا کرنے لگے کہ اقبال کو عربی زبان سے یا اسلام سے کیا واقفیت ہو سکتی ہے؟ یہ شعر اسی قسم کے فقیہانِ شہر پر طنز ہے اور قارون کی تشبیہ بھی طنزاً دی گئی ہے۔ اس شعر سے کنایۃً یہ بھی مراد ہے کہ لغت ہائے حجازی کا قارون بننے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ لا الٰہ کے دو حرفوں کی تمام معنوی خوبیاں ازبر ہوں:

اگرچہ بُت ہیں زمانے کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

بُت استعارہ ہے ہر قسم کی شرک و کفر کی باتوں سے یا کافرانہ طرزِ بود و باش سے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ھُوَ اللّٰہُ اَحَد

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بَل گر کے ھُوَاللّٰہ احد کہتے تھے (شکوہ)

بُتوں کا سہمے رہنا۔ منہ کے بَل گرنا اور ھو اللہ احد کہنا استعارہ تبعیہ ہے۔

لَنْ تَرَانِی

دید سے تسکین پاتا ہے دلِ مجبور بھی
لن ترانی کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طُور بھی (خفتگانِ خاک سے استفسار)

لَا تَخَفْ

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لَاتَخَفْ (بالِ جبریل)

اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات بہت ہیں مثلاً:

مَازَاغَ، رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ، مَاعَرَفْنَا، لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد، لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، اِنَّ الْمُلُوْک، وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ، لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَر، فَقَدْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ یَنْسِلُوْنَ۔ وغیرہ وغیرہ۔

(ب) اذان، مؤذن، نماز

اب نماز کی مختلف حالتوں اور اذان، موذن، وضو وغیرہ اصطلاحات پر مبنی تشبیہات ملاحظہ فرمائیے:

اذان

جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار (نمودِ صبح)

کوئل کو موذن سے تشبیہ دی ہے۔ صبح کا استعارہ ایک ایسے باجے سے کیا ہے جس کا ہر تار ترنم ریز ہے۔

موذن

۱۔ پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو (ایک آرزو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ پکارا اس طرح دیوارِ گلشن پہ کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گل! تو موذّن ہے گلستاں کا (پیامِ صبح)

اس شعر میں غنچۂ گل کو گلستان کا موذّن کہا ہے۔ اور پہلے شعر میں کوئل کو صبح کا موذّن۔ دونوں صورتوں میں موذّن مشبہ بہ ہے۔

وضو

۱۔ پھولوں کو آتے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو (ایک آرزو)

پھولوں پہ شبنم کا گرنا ایک فطری عمل ہے۔ مگر اقبال اسے یوں سمجھ رہے ہیں کہ شبنم پھولوں کو وضو کرا رہی ہے تاکہ صبح کی نماز ادا کر سکیں۔ پھر دوسرے مصرع میں رونے کو وضو سے اور نالہ کو دعا سے تشبیہ دی ہے۔

۲۔ نقشے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی سے
عبادت چشمِ شاعر کی ہے ہر دم با وضو رہنا (تصویرِ درد)

نماز

۱۔ گرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذّتِ سوز و گداز ہے (شمع و پروانہ)

۲۔ مثالِ پرتوِ مے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں! (غزلیات)

درختوں کے متعلق لکھتے ہیں:

۳۔ نمازِ شام کی خاطر یہ اہلِ دل ہیں کھڑے
مری نگاہ میں انسان با بغل ہیں کھڑے (کنارِ راوی)

قیام و سجود

۱۔ یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

"قیام کا وقت" اور "سجدوں میں گرنا" بڑا بلیغ استعارہ ہے۔ قیام سے مراد مسلمانوں کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی طور پر مضبوط ہو کر دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنا ہے اور ایسے زمانے میں جبکہ مسلمانوں کو اپنی سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالت کے لیے کوشش کرنا چاہیے، ان [illegible] کرتے ہیں کہ اللہ بڑا کارساز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے - وہ ہمارے سب کام بنا دے گا - حالاں کہ خدا کا فرمان محنت اور سعی کرنا ہے - لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی - اور یہ نادان (مسلمان) گویا قیام کے وقت سجدوں میں گر گئے ہیں -

۲- تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل (دل)

لغزش مستانۂ دل سو سجدے کرنے کی مانند ہے -

دُعا

۱- شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال — دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال (فراق)

چشموں کے شکستہ گیت سے مراد پانی کی وہ مختلف آوازیں ہیں جو کسی چشمہ سے نکلنے اور پھر آگے بڑھتے وقت نکلتی ہیں - پانی کی آواز کو گیت سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس گیت میں ایسی دلربائی ہے جیسے کوئی بچہ جس نے ابھی پوری طرح بولنا بھی نہیں سیکھا ، دعا کے الفاظ اپنی توتلی زبان سے ادا کر رہا ہو - یہ تشبیہ بھی اقبال کی کئی دوسری تشبیہات کی مانند بالکل اچھوتی تشبیہ ہے :

۲- یاد سے تیری دلِ دردآشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

یہ بھی اچھوتی تشبیہ ہے - اس کی مثال بھی کہیں اور نہیں ملے گی -

زکوٰۃ

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ (بانگِ درا ، سرمایہ و محنت)

مراقبہ

تمام دنیاوی ہنگاموں سے بے نیاز ہو کر خدا سے لو لگا کر خاموش بیٹھنا مراقبہ کہلاتا ہے اس عبادت سے انشراحِ صدر ہوتا ہے - ہندی کا ایک شعر ہے :

آنکھ ، کان ، منہ ڈھانپ کے نام نرنجن لے
اندر کے پٹ تب کھلیں جب باہر کے پٹ دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی دل کے دروازے اسی صورت میں کھلتے ہیں جب باہر کے تمام دروازے (دیکھنا، سننا اور بولنا) بند کیے جائیں۔ یہی مراقبہ ہے۔ اب مراقبہ کی تشبیہ دیکھیے:

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا　　　　قدرت ہے مراقبے میں گویا　(ایک شام)

سحر خیزی

سحر خیزی ہمیشہ سے صحیح العقیدہ مسلمانوں کا شعار رہی ہے۔ سحر خیزی ایک طرح سے خدا کا حکم ہے۔ کیونکہ صبح کی نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی ادا کی جا سکتی ہے اور نماز اسلام کا ایک بڑا ستون ہے۔ شریعت کی رُو سے جو شخص صبح نہیں اٹھتا اور نماز ادا نہیں کرتا وہ مسلمان ہی نہیں۔ وہ خدا کے دیدار کے قابل ہی نہیں:

ہر کہ وقتِ صبحدم دریادِ حق بیدار نیست
اُو محبت را چہ داند، لائقِ دیدار نیست

اقبال سحر خیز تھے۔ وہ فخر سے کہتے ہیں:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی　(بالِ جبریل)

انھوں نے خورشید کو "عابدِ سحر خیز" سے تشبیہ دی ہے:

خورشید وہ عابدِ سحر خیز　　　　لانے والا پیامِ "برخیز"
مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر　　　　پیتا ہے مئے شفق کا ساغر

تسبیح

تسبیح کے معنی ہیں تو سبحان اللہ کا ورد کرنا ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے لیکن تسبیح اصطلاحاً ایک مالا ہے جس میں عموماً ایک سو ایک دانے (پتھر، لکڑی یا موتیوں کے) ہوتے ہیں۔ تسبیح خواں ایک ایک دانے پر سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس سبحہ گردانی سے ایک سو ایک یا زیادہ بار پڑھنے کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اقبال نے تسبیح کے دانوں کو مسلمانوں سے تشبیہ دی ہے اور اُن کے اتفاق و اتحاد کی یہ صورت بتائی ہے کہ وہ منتشر نہ ہوں بلکہ ایک ہی رشتہ (رشتۂ تسبیح) میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منسلک رہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں :

۱۔ پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کا
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا (تصویر درد)

۲۔ رشتۂ الفت میں جب اُن کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے (شمع اور شاعر)

عابدِ شب زندہ دار

رات کی عبادت کو خاص فضیلت ہے۔ خداوند تعالیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں : یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ (اے کملی والے۔ کھڑا رہ رات کو (عبادت کے لیے) رات کا کچھ حصہ۔ آدھی رات یا اس سے کچھ زیادہ اور پڑھ صاف صاف) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کی عبادت کتنی فضیلت رکھتی ہے۔ اقبال صبح کے ستارے کو دیکھتے ہیں۔ سب ستارے ایک ایک کر کے رخصت ہونے جاتے ہیں۔ ایک ہی ستارا (نجم سحر) آسمان پر رہ گیا ہے اور سب سے آخر میں اس طرح آسمان سے رخصت ہو رہا ہے جیسے کوئی ساری رات عبادت کرنے والا عابد عبادت خانے سے سب سے آخر میں باہر نکل رہا ہو :

ہے رواں نجمِ سحر، جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جاتے کوئی عابدِ شب زندہ دار (نمودِ صبح)

فاتحہ خوانی

گو سکوں ممکن نہیں عالم میں اختر کے لیے
فاتحہ خوانی کو ٹھہرا ہے یہ دم بھر کے لیے (گورستان شاہی)

گورستان کی مناسبت سے فاتحہ خوانی ضروری تھی اس لیے یہ کام "اختر" کے سپرد کیا ہے۔ وہ دم بھر کے لیے ٹھہر کر فاتحہ پڑھ رہا ہے۔

احرام باندھنا

مناسک حج ادا کرنے سے پہلے [illegible] ایک ہی کپڑے (یا چادر) سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسم کو ڈھانپ کر حج کی عبادات میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کپڑے یا چادر کا جسم پر لپیٹنا احرام باندھنا کہلاتا ہے۔ احرام اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے دنیاوی آلائشوں کو ترک کر دیا ہے اور نئی پاکیزہ زندگی میں قدم رکھا ہے۔ اب تشبیہ دیکھیے:

چہچہانے ہیں پرندے پا کے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات (نوید صبح)

(ج) انبیاء و بزرگانِ دین

کلامِ اقبال میں جگہ جگہ انبیائے کرام اور بزرگانِ دین کی تلمیحات ہیں لیکن تشبیہات زیادہ تر حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے متعلق ہیں اور بزرگانِ دین میں سے حضرت امام حسین سے یا خضر علیہ السلام سے متعلق ہیں، زیادہ تر تشبیہات حضرت موسیٰ (کلیم اللہ) سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ حضرت آدمؑ

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو (تصویرِ درد)

قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کا ذکر جو دوسری سورۃ کے تیسرے رکوع کے بعد آتا ہے اس میں ایک شجر کا لفظ آتا ہے۔ قرآنی آیات کا ترجمہ دیکھیے:

"اور کہا ہم نے، اے آدم، سکونت اختیار کر تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ اس میں خوشی سے جو چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر پھسلا یا ان دونوں کو شیطان نے اس سے اور پھر (ہم نے) نکالا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور کہا ہم نے تم سب اترو (زمین پہ) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تم کو زمین پر ہی ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک خاص وقت تک"

اس درخت یا شجر کی تفسیر میں علمائے اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاننے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ ہمیں یہاں صرف اس قدر جاننے کی ضرورت ہے کہ اقبال نے اس شجر کو "فرقہ آرائی" کہا ہے اور اس کے پھل کو "تعصب"۔ فرقہ آرائی کو شجر سے اور تعصب کو اس شجرِ خاص کے پھل سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ یہی وہ پھل ہے جس کو کھانے سے آدم کو جنت سے نکلنا پڑا۔ اس شعر میں اس تشبیہ سے اقبال نے یہ بات ذہن نشین کرائی ہیں کہ اگر مسلمان تعصب سے کام لے کر فرقہ آرائی کرتے رہے تو ان کا وہی حشر ہو گا جو حضرت آدم کا ہوا۔ جو ایک لغزش کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے۔ اگر مسلمانوں نے بھی تعصب کے پھل کو کھایا تو وہ بھی وطن میں آرام سے نہیں رہ سکیں گے:

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے (بالِ جبریل)

آدمِ خاکی کو ٹوٹے ہوئے تارے سے تشبیہ دی ہے۔ آسمان سے ستارے ٹوٹتے رہتے ہیں جو دوبارہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن آدمِ خاکی جو ایک بار ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح زمین پر آ گیا پھر اتنی ترقی کر رہا ہے۔ ذہنی اور روحانی طور پر کہ محسوس ہو رہا ہے وہ پھر اسی جنت کو حاصل کر لے گا جس سے نکالا گیا تھا۔

۲۔ حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیمؑ وہ جلیل القدر نبی ہیں جنھوں نے خداوند تعالیٰ کی عبادت کے لیے کعبہ کی بنیادیں رکھیں۔ آپ آذر کے بیٹے تھے اور آذر کا پیشہ بت پرستی اور بت تراشی تھا۔ آپ نے بتوں کو توڑا اور توحید باری تعالیٰ کا درس دیا۔ آپ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے حلق پر چھری پھیری۔ لیکن خداوند تعالیٰ کو انسانی قربانی منظور نہ تھی۔ اس لیے ایک مینڈھا ذبح کیا گیا۔ عید الاضحیٰ کے دن حلال جانوروں کی قربانی اسی واقعہ کی یاد ہے۔ حضرت اسمٰعیل بھی فرمانبرداری اور اطاعتِ پدر کے لحاظ سے ایک مثالی بیٹے تھے جو باپ کے حکم پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔

نمرود اس وقت بادشاہ تھا۔ بادشاہت اور نبوت میں ہمیشہ ٹکر ہوتی چلی آئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے الاؤ میں پھینکا گیا۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہوگئی، یا بعض روایات کی رُو سے گلزار بن گئی۔ اور حضرت ابراہیمؑ اور دینِ ابراہیمؑ کی صداقت مبرہن ہوگئی۔ ان تمام واقعات سے متعلق شعرائے قدیم کے کلام میں تلمیحات و تشبیہات کا خاصہ ذخیرہ ہے۔ کلامِ اقبال میں بھی تلمیحات کثرت سے موجود ہیں لیکن ہم صرف تشبیہات کو پیش کر رہے ہیں۔ مثلاً:

بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں (جوابِ شکوہ)

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو "آذر" اور "بُت گر" سے تشبیہ دے کر اور اُن کے آباد اجداد کو "ابراہیم" اور "بُت شکن" سے تشبیہ دے کر شرم دلائی ہے کہ تمھارے باپ دادا کیا تھے اور تم کیا ہوگئے ہو؛

بُت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نورِ ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا (نانک)

بابا نانک پکّے موحّد اور خدا پرست تھے۔ ان کے والدین بت پرست اور مشرک تھے۔ والدین کے گھر کو "بت کدہ" اور "آذر کے گھر" سے تشبیہ دی ہے اور بابا نانک کے وحدانیت کے عقیدہ کو نورِ ابراہیم سے تشبیہ دی ہے:

توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق (سوامی رام تیرتھ)

ابراہیم عشق استعارہ ہے۔ عشق ابراہیم کی مانند ہے۔ جو ہر قسم کے بتوں کو توڑ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی ہستی کے بُت کو بھی توڑ دیتا ہے۔ یعنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ دوسرے مصرع میں مستیِ تسنیم عشق بھی استعارہ ہے لیکن یہ ایسی مستی ہے جو در اصل "ہوش" ہے:

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے (خضرِ راہ)

"آگ"، "اولادِ ابراہیم"، اور "نمرود" تینوں بطورِ استعارہ بیان کیے گئے ہیں لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی وجہ جامع (وجہ تشبیہ) بہت واضح ہے۔ عصرِ حاضر کی تعلیم و تہذیب، مذہب، اور مرکز سے دُوری، مغرب کی کورانہ تقلید اور الحاد و بے دینی کی طرف جدید نسل کا رجحان، یہ سب کیا ہے۔ آگ ہے جس میں مسلمانوں کو جھونکا جارہا ہے۔ یا بعض ازخود اس آگ میں گر رہے ہیں۔ اولادِ ابراہیم سے مراد مسلمان ہیں۔ اور "نمرود" غیر مسلم حکومت یا حکومت کے کل پُرزے ہیں۔ کفر، الحاد۔ تہذیب و تعلیمِ جدید کی آگ سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ اقبال ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں\
کہ مَیں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

اس شعر میں دانشِ حاضر (مغربی نظامِ تعلیم اور تہذیبِ جدید) کو آگ اور عذاب سے تشبیہ دی گئی ہے اور اپنے تئیں خلیل (حضرت ابراہیم) سے اس شعر میں بھی ایک زبردست اشتباہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم کی طرح دانشِ حاضر کی آگ میں ڈالا گیا ہوں یعنی مغربی نظامِ تعلیم کے مطابق مَیں نے اعلیٰ تعلیم پائی ہے۔ اس لیے اس کے مضرت رساں اثرات سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ مجھ پر تو اس آگ نے اثر نہیں کیا۔ لیکن یہ ایسی آگ ہے جو عام آدمیوں کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور اس راکھ میں ایمان کی کوئی چنگاری روشن رہنے نہیں پاتی۔ اس لیے اس آگ سے ڈرتے رہو۔ تعلیم بھی حاصل کرتے رہو۔ لیکن اس کی ضرر رسانی سے خبردار رہو:

یقیں، مثلِ خلیل، آتش نشینی\
یقیں، اللہ مستی، خود گزینی (بالِ جبریل)

یقین کے تین مدارج ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ اگر کسی چیز کے متعلق لوگوں سے سُن سن کر یقین ہو جائے، یا اخبار و روایات کو پڑھ پڑھ کر اس کے صحیح ہونے کا یقین آجائے، تو یہ علم الیقین کی منزل ہے۔ اور اگر جو کچھ سنا یا پڑھا ہے اسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا جائے، تو یہ عین الیقین کی منزل ہے۔ مگر یقین کی تیسری اور آخری منزل یہ ہے کہ کسی بات کا اس طرح یقین ہو جائے کہ اس میں شک و ریب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخمین و ظن کا شائبہ تک نہ ہو، اور کسی قسم کی تنقید یا تنقیص یا اعتراض سے پائے یقین متزلزل نہ ہو سکیں۔ یہ حق الیقین کی منزل ہے۔ جب یقین اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو انسان بے خوف و خطر آگ میں بھی کود جاتا ہے اور آگ سے محفوظ رہتا ہے۔ اقبال یقین کے اس آخری درجے کی تشریح اس تشبیہ سے کرتے ہیں کہ اگر یقین کامل ہو تو مثلِ خلیل انسان آگ میں بھی بیٹھ سکتا ہے۔ یقین مئے معرفت سے سرشار ہونے اور اپنے تئیں ایک بلند رتبے تک پہنچانے کا نام ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق!

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی (بانگِ درا۔ غزلیات)

عقل پختہ ہو تو مصلحت اندیش ہوتی ہے اور کسی کام کے کرنے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کرتی ہے اور اسی غور و خوض میں بسا اوقات وہ وقت ہی گزر جاتا ہے جو جرأت و دلیری کا متقاضی ہوتا ہے۔ عشق (یعنی سچی لگن) ہر وقت جان جوکھوں میں ڈال سکتا ہے اور آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے اور اس طرح عقل سے بازی لے جاتا ہے:

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (ضربِ کلیم)

جہان کو صنم کدہ سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ اس دنیا کو ایک ابراہیم جیسے جیّد بُت شکن کی ضرورت ہے اور بصیرت والے اس "براہیم" کو تلاش کر رہے ہیں جس کی ضربتِ خارا شگاف جہاں کے صنم کدہ کو بتوں سے پاک و صاف کر دے:

(باقی آئندہ)

حیاتِ محمدؐ: از محمد حسین ہیکل۔ مترجم: ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی۔

یہ کتاب مصر کے نامور ادیب اور محقق محمد حسین ہیکل کی مشہور و معروف تصنیف کا ترجمہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات نہایت موثر اور دل نشین انداز میں لکھے گئے ہیں اور حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے ان پہلوؤں کو خصوصیت سے اجاگر کیا گیا ہے جن کا تعلق زندگی کے بنیادی حقائق اور اہم مسائل سے ہے۔

قیمت: ۵۰/۲۲ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com